ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.7. No.4.2024

مجید امجد کی شاعری میں ہڑپائی تہذیب کی علامتی اور فکری جہات کا مطالعہ

A Study of the Symbolic and Intellectual Dimensions of Harappan Civilization in Majid Amjad's Poetry

ڈاکٹر محمد سعید احمد

پی ایچ ڈی اردو

ڈاکٹر ذوالفقار علی

پی ایچ ڈی اردو

ڈاکٹر عائشہ مقصود

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو

لاہور لیڈز یونیورسٹی

Abstract

Majid Amjad (1914–1974), a prominent Urdu poet, intricately weaves the elements of Harappan civilization into his poetry, reflecting its symbolic and intellectual significance. Born in Jhang and later settled in Sahiwal, near the ancient Harappan site, Amjad's poetry captures the essence of this civilization through vivid imagery and profound themes. His works, such as Harappay ka Aik Kutba, Kunwaan, and Murti, utilize symbols like the Ravi River, wells, bullocks, and figurines to represent the continuity of time, human struggle, and societal disparities. Amjad's poetry transcends mere historical reference, employing Harappan motifs to critique class divisions, with metaphors like "gods' decrees" for landlords and "bullocks" for oppressed farmers. His stylistic versatility, incorporating Hindi words and traditional Urdu forms like musammat, enhances the aesthetic and musical quality of his verses. The recurring theme of time's relentless flow underscores the impermanence of civilizations, urging reflection on humanity's transient existence. Amjad's engagement with nature—fields, crops, and rural life—further ties his work to Harappan agrarian roots, blending contemporary and ancient contexts. His poetry not only preserves the cultural legacy of Harappa but also invites intellectual discourse on societal reform and human resilience, making it a significant contribution to Urdu literature and a mirror to Pakistan's socio-cultural landscape.

Keywords: *Harappan Civilization, Majid Amjad, Urdu Poetry, Symbolism, Intellectualism, Time, Class Disparity.*

تعارفِ موضوع

مجید امجد (1914–1974) اردو ادب کے ایک ممتاز شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری میں ہڑپائی تہذیب کے عناصر کو علامتی اور فکری گہرائی کے ساتھ پیش کیا۔ جھنگ میں پیدا ہوئے اور ساہیوال میں مقیم، جہاں ہڑپہ کے آثار قدیمہ موجود ہیں، مجید امجد نے اپنی نظموں میں اس قدیم تہذیب کی عکاسی کی جو دریائے راوی کے کناروں پر پروان چڑھی۔ ان کی نظمیں جیسے کہ "ہڑپے کا ایک کتبہ"، "کنواں" اور "مورتی" وقت کی گردش، انسانی جدوجہد اور معاشرتی ناہمواریوں کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کے ہاں علامتیں جیسے کہ کنواں، بیل، اور مورتیاں نہ صرف ہڑپائی ثقافت کی نمائندگی کرتی ہیں بلکہ طبقاتی تقسیم اور استحصال کی فکری تنقید بھی پیش کرتی ہیں۔ مجید امجد کی شاعری میں ہندی الفاظ اور روایتی اردو بحروں کا استعمال ان کے اسلوب کو منفرد بناتا ہے۔ وہ فطرت سے گہرا تعلق رکھتے تھے، اور ان کی شاعری میں کھیت، فصلیں اور دیہاتی زندگی ہڑپائی تہذیب کے زرعی پس منظر کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ مطالعہ ان کی شاعری میں ہڑپائی تہذیب کے علامتی اور فکری پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے، جو معاصر پاکستانی تناظر میں بھی اصلاحات کی دعوت دیتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مجید امجد

مجید امجد 29 جون 1914ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے ابھی وہ دو برس کے تھے جب اُن کی والدہ اپنے خاوند سے الگ ہو کر میکے آ گئیں مجید امجد نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی جو کہ ایک صوفی بزرگ تھے میٹرک، ایف اے جھنگ سے کرنے کے بعد مجید امجد لاہور آ گئے جہاں انہوں نے اسلامیہ کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں وہ کچھ دیر جھنگ کے ایک مقامی اخبار "عروج" میں بطور مدیر کام کرتے رہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران قائم کیا گیا محکمہ سول سپلائز میں انسپکٹر بھرتی ہو گئے جسے کہ بعد میں محکمہ فوڈ ڈیپارٹمنٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔ مجید امجد ترقی پا کر اسسٹنٹ فوڈ کنٹرولر بن گئے اور ساہیوال آ گئے جہاں وہ تادمِ مرگ رہتے رہے۔ مجید امجد کے ازدواجی حالات بھی تلخی کا شکار تھے۔ اس لیے شاید وہ بے اولاد رہے۔

مجید امجد وسیع المطالعہ شخص تھے وہ فارسی، عربی، ہندی، انگریزی اور پنجابی زبان اچھی طرح جانتے تھے۔ اُن کی شاعری میں فکر اور جذبے کی گہرائی موجود ہے۔ وہ کثیر الجہتی افکار کا شاعر ہے۔ انہوں نے غزل اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کی۔ غزل کا سرمایہ اگرچہ کم ہے مگر فنّی خوبیوں سے مالامال ہے۔ مجید امجد نے نظم کی ہیئت میں کئی تجربات کیے۔ اُن کی نظم کے موضوعات میں وقت نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ وقت اور اُس کی گردش کو محسوس کر کے اپنی نظموں کا موضوع بناتے ہیں۔ مجید امجد کی شاعری میں ہڑپائی تہذیب کے عناصر بھرپور طریقے سے موجود ہیں۔

مجید امجد کی عمر کا بیشتر حصہ ساہیوال میں گزرا اور یہاں رہتے ہوئے ہڑپہ کی قدیم تہذیب سے متاثر تھے۔ ان کی نظم کا مفہوم اگر ایک سطر میں بیان کیا جائے تو کچھ یوں بنتا ہے کہ معاشرے میں دو طبقے ہیں ایک مجبور اور وسائل سے محروم جبکہ دوسرا طبقہ ہر شے پر قابض اور مالامال۔ کسان اور جاگیرداروں کے مابین طبقاتی تفریق کا عمدہ پیرائے میں بیان مجید امجد کا کمال ہے۔ بورژوا اور پرولتاری طبقے کا ایسا عمدہ نقشہ شاید ہی کسی اور نظم میں نظر آتا ہو۔ شاید ایسی ہی حقیقت نے معاشرے میں طبقاتی تقسیم کو جنم دیا ہے۔ مجید امجد کے ہاں موضوعات کے ساتھ ساتھ بحروں میں ایسا خوش رنگ تنوع پایا جاتا ہے کہ ہر بار ایک نئی موسیقیت کا سا گمان ہوتا ہے۔ "ہڑپے کا ایک کتبہ"، مسمط کی ایک شکل ہے اور مثلث کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ تین بندوں پر مشتمل یہ نظم اپنی انفرادیت یوں بھی قائم رکھے ہوئے ہیں کہ بدیع وبیاں کے اعتبار سے اس میں صنعتوں اور استعارات کا استعمال برمحل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے بند میں جاگیرداروں کے لیے "خداؤں" کا استعارہ اور کسان کے لیے بیل اک استعارہ انتہائی موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نظم میں ہندی کے کچھ الفاظ کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے جیسے کہ تٹ، چھل بل، جیوٹ، جوڑی، ریکھ، لیکھ وغیرہ۔

اس نظم میں موجود عناصر کا اگر ہم ہڑپائی تہذیب کے تناظر میں تجزیہ کریں تو دریائے راوی، کھیت، فصلیں اور قدیم اور بوڑھی تہذیبوں کا ذکر بیلوں اور کسانوں کا تذکرہ ہل کی انّی اور ہل چلانے والے کسانوں کا دکھ اور حالت زار کا ذکر ہے اس کے دکھوں کا تذکرہ ہے۔

بہتی راوی! تیرے تٹ پر۔۔۔ کھیت اور پھول اور پھل
تین ہزار برس بوڑھی تہذیبوں کی چھل بل!
دو بیلوں کی جیوٹ جوڑی۔ اک ہالی، اک ہل!
سینہ سنگ میں بسنے والے خداؤں کے فرمان
مٹی کاٹے، مٹی چاٹے، ہل کی انی کا مان
آگ میں جلتا پنجر ہالی کا ہے کو انسان
کون مٹائے اس کے ماتھے سے یہ دکھوں کی ریکھ
ہل کو کھینچنے والے جنوروں جیسے اس کے لیکھ
تپتی دھوپ میں تین بیل ہیں، تین بیل ہیں، دیکھ4

کنواں ہڑپائی تہذیب کا ایک اہم عنصر ہے اور آج بھی کھنڈرات کو دیکھنے جائیں تو کنواں کے آثار وہاں موجود ہیں مجید امجد کی نظم ''کنواں'' بھی اس بات کا بھرپور احساس دلاتی ہے کہ وقت کا دھارا مسلسل بہتا رہتا ہے۔ میں کسی لمحہ ٹھہراؤ نہیں۔ مستقبل بڑی تیزی سے ماضی بن جاتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک لمحہ گنیمت ہے حالی جو ابھی ہے اور پھر ابھی نہیں ہے۔ اس لیے وہ حال کو لمحہ غنیمت کہتے ہیں اور اسے گرفت میں لینے کا رجان ملتا ہے۔

ان کی اس نظمل میں مستقبل، ماضی اور حال تینوں کا احساس قائم ہے۔ لیکن ان کے ہاں اہمیت زیادہ حال کی ہے اور ان کی توجہ بھی زیادہ اس پر ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ حال بڑی تیزی سے ماضی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کنواں بھی ان کی علامتی نظم ہے جس میں وقت کی بالادستی اور اس کے تسلسل کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے:

کنواں چل رہا ہے! مگر کھیت سوکھے پڑے ہیں نہ فصلیں نہ خرمن نہ دانہ
نہ شاخوں کی باہیں نہ پھولوں کے مکھڑے نہ کلیوں کے ماتھے نہ رت کی جوانی
گزرتا ہے کیاروں کے پیاسے کناروں کو یوں چیرتا تیز خوں رنگ پانی کہ جس طرح زخموں کی دکھتی پٹکتی تہوں میں کسی نیشتر کی روانی ادھر دھیری
دھیری کنویں کی نفیری ہے چھیڑے چلی جارہی اک ترانہ پر اسرار گانا
جسے سن کے رقصاں ہے اندھے تھکے ہارے بے جان بیلوں کا جوڑا بچارا
گراں بار زنجیریں، بھاری سلاسل کڑکتے ہوئے آتشیں تازیانے طویل اور منتہی راستے پر بچھا رکھے ہیں دام اپنے قضانے ادھر وہ مصیبت کے ساتھی
ملائے ہوئے سینگوں سے سینگ شانوں سے شانے
رواں ہیں نہ جانے کدھر؟ کس ٹھکانے؟ نہ رکنے کی تاب اور نہ چلنے کا یارا مقدر نیارا5

اس نظم کے آخر میں اس دنیا کی بے ثباتی اور عدم سے ازل تک وقت کی گردش کا تذکرہ ہے اور یہ وقت کس طرح سے تہذیبوں اور قوموں کو ماضی کا قصہ بنا دیتا ہے اور بعد میں صرف ان قوموں کے اور تہذیبوں کے کچھ آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ بند ملاحظہ ہو:

وہ اک نغمۂ سرمدی کان میں آرہا ہے، مسلسل کنواں چل رہا ہے پیاپے مگر نرم رو اس کی رفتار پیہم مگر بے تکان اس کی گردش عدم سے ازل تک ازل سے ابد تک بدلتی نہیں ایک آن اس کی گردش نہ جانے لیے اپنے دولاب کی آستینوں میں کتنے جہاں اس کی گردش رواں ہے رواں ہے
تپاں تپاں ہے یہ چکر یونہی جاوداں چل رہا ہے کنواں چل رہا ہے6

مجید امجد کی نظموں میں نئے عہد کی صنعتی زندگی کے ساتھ ابھرنے والے نئے شہروں کے جغرافیے سے لے کر پرانی قصباتی تہذیب کی متوازن قدریں اور ان کا تحفظ جیسے موضوعات بھی ہیں۔ انہوں نے مخصوص تہذیبی معیارات کا جو خاکہ اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا حال کے لمحے ان معیارات سے گریزاں ہیں۔ عورتوں کا ایک مشہور زیور ''بندا'' سے متعلق ایک تمنائی نظم ہے۔ اس میں ہمیں ہڑپائی تہذیب کے زیورات کا ایک عکس بھی نظر آتا ہے۔ بہت ہی میٹھی اور رسیلی نظم ہے۔ کچھ حصہ زینت قرطاس ہے۔

کاش میں تیرے بن گوش میں بندا ہوتا!
رات کو بے خبری میں جو مچل جاتا میں
تو ترے کان سے چپ چاپ نکل جاتا میں
صبح کو گرتے تری زلفوں سے جب باسی پھول
میرے کھو جانے پہ ہوتا تیرا دل کتنا ملول
تو مجھے ڈھونڈتی کس شوق سے گھبراہٹ میں
اپنے مہکے ہوئے بستر کی ہر اک سلوٹ میں
جو نہی کرتیں تری نرم انگلیاں محسوس مجھے
ملتا اس گوش کا پھر گوشہ مانوس مجھے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کان سے تو مجھے ہر گز نہ اتارا کرتی
تو کبھی میری جدائی نہ گوارا کرتی
یوں تری قربت رنگیں کے نشے میں مدہوش
عمر بھر رہتا مری جاں میں ترا حلقہ بگوش7

مجید امجد کی نظم "مورتی" بھی بہت خوبصورت نظم ہے۔ اس نظم کا اسلوبیاتی اور جمالیاتی حسن دلفریب ہے۔ خیال، جذبے اور لفظ کی آمیزش دل افروز ہے۔ تراکیب وعلامات نے اس نظم کی تاثیر اور سندرتا میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔ اس نظم کی فکری رفعت کہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ دورانِ قرأت اس کے پرت تہہ در تہہ کھلتے چلے جاتے ہیں اور اس عمل میں شعور و آگہی کے سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ نظم تخلیقی تجربے کی لطافت سے سرشار ہے۔ اس نظم میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ نظم استفہامیہ انداز میں شروع ہوتی ہے اور کہاں ہے کے الفاظ ہیں۔ ہڑپائی تہذیب میں مورتیوں کو بھی خاص اہمیت تھی اور اب بھی عجائب گھر میں وہ مورتیاں پڑی ہیں۔ ان کی نظم "مورتی" کا کچھ حصہ:

کہاں ہے اب وہ جو برسوں پہلے اس ممٹی پر دنیا کے نرغے میں اک مورت تھی اک مورت خوابوں کے بچپن جس کی پرستش کرتے تھے کہاں ہے اب وہ بے کل پلکوں والی پگلی سی اک سچائی جو اس جھوٹی دنیا کو جھٹلانے آئی تھی اس مٹی کے نیچے اب بھی اٹل حصاروں سے حجت کرنے والے اس جھونکے کے پیوند ہماری ان سانسوں میں ہیں لیکن جانے کہاں ہے اب وہ پگلی سی اک سچائی()8

مجید امجد نے اپنی نظموں کو قلبی واردات میں ڈھال کر پیش کیا ہے اور ان کا دکھ ان کی ذات کا حصہ بن کر شعری قالب میں ڈھلتا ہے۔ ان کی نظمیں موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے ہاں تنوع بہت ہے ان کی شاعری انسانی دردمندی اور خلوص و محبت کی آئینہ دار ہے۔ مجید امجد گرد و پیش کے حالات کے ساتھ ساتھ عالمی منظر نامے پر رونما ہونے والے واقعات وحادثات کو شدت سے محسوس کرتے تھے انہوں نے ہر مسئلہ کو پوری انسانیت کے مسئلے کے طور پر دیکھا۔ اس جہان کی شکست و ریخت اور اس دنیا کے اجڑنے بننے کا منظر بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی نظم "درس ایام" بہت خوبصورت پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ وہ اس نظم میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح قومیں اور تہذیبیں ماند پڑ جاتی ہیں اور کس طرح بڑی بڑی قوموں کا غرور خاک میں مل جاتا ہے:

سیل زماں کے ایک تھپیڑے کی دیر ہے یہ ہات جھریوں بھرے، مرجھائے ہات جو سینوں میں اٹکے تیروں سے رستے لہو کے جام بھر بھر کے دے رہے ہیں تمہارے غرور کو یہ ہات گلبن غم ہستی کی ٹہنیاں اے کاش! انہیں بہار کا جھونکا نصیب ہو ممکن نہیں کہ ان کی گرفت تپاں سے تم تادیر اپنی ساعد نازک بچا سکو تم نے فصیل قصر کے رخنوں میں بھر تو لیں ہم بے کسوں کی ہڈیاں لیکن یہ جان لو طرہ طرف کلاہ اے وارثاہ کے ! سیل زماں کے ایک تھپیڑے کی دیر ہے()9

مجید امجد کے نظریہ کے مطابق وقت کا سیل رواں وجود و عدم کا ذمہ دار ہے۔ حالات و واقعات، اشیاء و مظاہرات اسی کی گردش سے رونما ہوتے ہیں۔ مجید امجد نے حالات کے مدوجزر اور اشیاء و مظاہرات کی نمو کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے انسانی دکھ درد کو وقت کے تسلسل کے ساتھ وابستہ کیا۔ بنتی بگڑتی زندگی اور حیات و کائنات کے مختلف مسائل اور تغیرات و تبدیلیاں الغرض کوئی بھی چیز اس کے اثر سے محفوظ نہیں۔ ان کی نظم "امروز" میں ہڑپہ کی تہذیب کے کچھ عناصر کا تذکرہ ہے مثلاً دیوتا، رتھ، چوڑیاں وغیرہ۔ اس نظم کا کچھ حصہ دیکھتے ہیں:

مجھے کیا خبر وقت کے دیوتا کی حسیں رتھ کے پہیوں تلے پس چکے ہیں مقدر کے کتنے کھلونے زمانوں کے ہنگامے صدیوں کے صدہا ہیولے مجھے کیا تعلق۔ میری آخری سانس کے بعد بھی دوش گیتی پہ مچلے مہ و سال کے لازوال آبشار رواں کا وہ آنچل جو تاروں کو چھو لے()10

مجید امجد نے وقت کے تصور کو کہیں زمانوں، کہیں صدیوں اور کہیں قرنوں کی شکل میں دیکھا ہے۔ وقت کے اس تصور کی جھلک تسلسل کے ساتھ ان کی بہت سی نظموں میں مل جائے گی۔ مثلاً "روداد زمانہ" میں نردبان شام وسحر کے ساتھ اٹھتی ہوئی صنم خانہ ایام کی تعمیر۔ وہ دور زماں کا ذکر کرتا ہے اور کہیں ویرانہ ماضی کے اندھیروں کا ذکر کرتا ہے۔ صدیوں اور قرنوں کا ذکر کرتا ہے۔ یعنی وہ تہذیبیں جو قصہ ماضی بن چکی ہیں اور صدیوں کی راکھ تلے دب گئی ہیں اب ان کے کچھ آثار باقی ہیں۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

نظم ''روداد زمانہ ''کا کچھ حصہ دیکھتے ہیں:

جب سے ویرانہ ماضی کے اندھیروں میں کہیں رینگتے اژدروں کی زہر بھری پھنکاریں نفس سینہ انساں کی خبر لائی ہیں ہم نے دیکھا ہے یہی کچھ کہ ہر اک دور زماں برف زاروں سے پھسلتی ہوئی صدیوں کا خروش کھولتے لاوے میں جلتے ہوئے قرنوں کا دھواں()11

مجید امجد کی نظم ''زندگی، اے زندگی'' میں زندگی کی بڑی خوبصورت تشریح کی ہے اور زندگی کے ساتھ ایک مکالمہ بھی ہے۔ بہت خوبصورت نظم ہے اس میں ہڑپہ کی تہذیب کے خاص عناصر زیورات، آنچل اور پائلوں کی چھم چھم کا ذکر بھی ہے۔ اس نظم کا کچھ حصہ دیکھتے ہیں:

سن رہی ہے ناچتی صدیوں کا آہنگ قدم جاوداں خوشیوں کی بجتی گنگڑی کے زیر و بم آنچلوں کی جھم جھماہٹ پائلوں کی چھم چھم اس طرف باہر سر کوئے عدم ایک طوفاں، ایک سیل بے اماں ڈوبنے کو ہیں میرے شام و سحر کی کشتیاں اے نگار دلستاں اپنی نٹ کھٹ انکھڑیوں سے میری جانب جھانک بھی زندگی اے زندگی()12

مجید امجد قدرتی مناظر سے بہت متاثر تھے۔ انہیں ہریالی، پھول، فصلیں اور ہرے بھرے کھیت بہت اچھے لگتے تھے۔ ان کی نظم ''ہری بھری فصلو'' بہت خوبصورت ہے۔ اپنی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو گھڑی دو گھڑی کے مہمان ہیں لیکن اس جہان کی خوبصورتی اور رونق تمہارے دم سے ہے۔ مجید امجد وقت اور اس سے متعلقات کا ذکر جابجا اپنی شاعری میں کرتے ہیں اور صدیوں اور قرنوں کا ذکر کر کے سابقہ اقوام اور تہذیبوں اور ان کے آثار کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ان کی نظم ''ہری بھری فصلو'' کا ایک ٹکڑا دیکھتے ہیں:

قرنوں کے بجھتے انگار، اک موج ہوا کا دم صدیوں کے ماتھے کا پسینہ پتیوں پر شبنم دور زماں کے لاکھوں موڑ اک شاخ جس کا خم زندگیوں کے تپتے جزیروں پر رکھ رکھ کے قدم ہم تک پہنچی عظمت فطرت، طنطنہ آدم جھومتے کھیتو! ہستی کی تقدیرو! رقص کرو ! دامن دامن پلو پلو، جھومی جھولی ہنسو چندن روپ سجو ہری بھری فصلو جگ جگ جیو پھلو()

گاؤں کی خوبصورت زندگی کا عکس مجید امجد کی نظم ''گاؤں'' میں جھلکتا ہے۔ گھاس پھوس کی بنی جھونپڑیاں، جھاڑیوں کے جھنڈ، کیکروں کی چھاؤں، بھینسیں، بھیڑ بکریاں، کھیت، شام کے رنگین نظارے یہ سب چیزیں ہماری تہذیب کا ایک خوبصورت حوالہ ہیں۔ یہ خوبصورتی اور یہ حسن فطرت کا گواہ ہے۔ ان کی یہ نظم وموسیقیت سے بھرپور ہے اور اس کی بنت بہت دلکش اور رسیلی ہے۔ ملاحظہ ہو اس کا کچھ حصہ:

یہ تنگ و تاریک جھونپڑیاں گھاس پھوس کی اب تک جنہیں ہوا نہ تمدن کی چھو سکی ان جھونپڑیوں سے دور اس پار کھیت کے یہ جھاڑیوں کے جھنڈ یہ انبار ریت کے یہ دوپہر کو کیکروں کی چھاؤں تلے گرمی سے ہانپتی ہوئی بھینسوں کے سلسلے ریوڑ یہ بھیڑ بکریوں کے اونگھتے ہوئے جھک کر ہر ایک چیز کی بو سونگھتے ہوئے بر قاب کے دفینے اگلتا ہوا کنواں یہ گھنگھروؤں کی تال پہ چلتا ہوا کنواں یہ کھیت یہ درخت یہ شاداب گرد و پیش سیلاب رنگ و بو سے یہ سیر اب گرد و پیش مست شباب کھیتیوں کی گلفشانیاں دوشیزہ بہار کی اٹھتی جوانیاں()14

ان کی ایک نظم ''درونِ شہر'' جس میں مجید امجد زمانے کی بے حسی کا تذکرہ کرتے ہیں اور وفا اور خلوص کا بدلہ نہ ملنے پر نالاں ہیں۔ شہر کے باسیوں سے وہ گلہ اور شکایت کرتے ہیں۔ اس نظم میں ایک ٹکڑا تہذیب سے متعلق بھی ہے۔ اس نظم کا ایک بند استشہاد کے طور پر دیکھیں:

مجھ سے پوچھو یہیں کہیں ہے اس سنہرے شہر کے اندر اینٹوں کی تہذیب کے سینے میں۔۔۔ اک دلدل گدلے گھم، میلے کچیلے دلوں کی دلدل کڑوے زہر میں لت پت رسمیں میں نے جن سے وفا کی ریت نبھائی میں نے جن کی خاطر چر کے اپنے ضمیر پہ جھیلے سکے اپنے دل پہ داغے()15

گھٹائیں اور پھر ان گھٹاؤں میں مہکتے، لچکتے پیڑ اور اٹکھیلیاں کرتی ٹہنیاں اور شاخیں بہت خوبصورت منظر پیش کرتی ہیں۔ مجید امجد نے کونپلوں کو کنگنوں سے مماثلت دی ہے۔ جھیل کے پانی اور بادل کے مختلف رنگوں کو بھی خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے، ان کی نظم، گھور گھٹاؤں کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

گھور گھٹاؤں کے نیچے پیڑوں کی لچکیلی باہیں کونپلوں کے کنگن پہنے جھک جھک کر جھیل کے پانی پر سے چننے آئی ہیں پیلے پیلے پتے اور بھورے بھورے بادل()16

مجید امجد کی ایک نظم ''اور یہ انساں'' جس میں عاجزی اور انکساری کا سبق دیا گیا ہے اور رب کریم کی عنایات کا مستحق بننے کے لیے اسے پہلا اصول بتایا ہے۔ اسی نظم میں وہ تہذیبوں اور سلطنتوں اور مال و زر کی چمک دمک کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس میں تہذیب اور سلطنت اور ان کی بے ثباتی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس نظم کا پہلا حصہ دیکھتے ہیں:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
Vol.7. No.4.2024

اور یہ انساں۔۔۔ جو مٹی کا ایک ذرہ ہے، جو مٹی سے بھی کم تر ہے اپنے لیے ڈھونڈے تو اس کے سارے شرف سچی تمکینوں میں ہیں لیکن کیا یہ تکریمیں ملتی ہیں زر کی چمک سے ؟ تہذیبوں کی چھب سے ؟ نہیں!۔۔۔ نہیں تو ! پھر کیوں مٹی کے اس ذرے کو سجدہ کیا اک اک طاقت نے (17)

دریا، ندی، نالوں اور اس میں لہروں کے ساتھ سفر کرنے والے پانیوں کا ہماری اس تہذیب کے ساتھ خاص تعلق ہے کیونکہ یہ تہذیب دریائے راوی کے کنارے سانس لیتی رہی۔ مجید امجد کی نظم ''ایک شام'' کے پہلے حصے میں ندی کے لرزتے پانیوں کا ذکر ہے اور لٹوں اور ننگی باہوں کا ذکر ہے۔ پہلا حصہ دیکھتے ہیں:

ندی کے لرزتے ہوئے پانیوں پر تھرکتی ہوئی شوخ کرنوں نے چنگاریاں گھول دی ہیں تھکی دھوپ نے آ کے لہروں کی پھیلی ہوئی ننگی باہوں میں اپنی لٹیں کھول دی ہیں ! یہ جوئے رواں ہے (18)

مجید امجد فطرت کی عکاسی اپنی شاعری میں جابجا کرتا ہے، ان کی نظم ''دیکھ اے دل'' میں ہڑپائی تہذیب کے اہم عناصر برگد، پیپل اور پنچھی کا ذکر کیا ہے۔ اس نظم میں معاصر تہذیب کی ایک خوبصورت ترکیب نہر کی پٹڑی کا بھی ذکر ہے، اس نظم کے دو بند ملاحظہ ہوں:

دیکھ اے دل کیا سماں ہے، کیا بہاریں شام ہے وقت کی جھولی میں جتنے پھول ہیں، انمول ہیں نہر کی پٹڑی کے دورویہ، مسلسل دور تک برگدوں پر پنچھیوں کے غل مچاتے غول ہیں (19)

بدلیوں اور پیپل کے پیلے پیلے پاتوں کا ذکر کرتے ہوئے اگلا خوبصورت بندیوں تخلیق کیا ہے:

دیکھ اے دل کتنے ارمانوں کا رس برسا گئیں بدلیاں، جب ان پر چھینٹے نور کے چھن کر پڑے کتنی کومل کامناؤں کی کہانی کہہ گئے برگدوں پر پنچھیوں کے غل مچاتے غول ہیں (20)

مجید امجد کی ایک نظم ''ملاقات'' کیا خوبصورت نظم ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے قاری اپنے آپ کو قدرتی مناظر میں ٹہلتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ہڑپائی تہذیب کے عناصر کا عکس اور رنگ بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہڑپہ کی تہذیب کا معاصر منظر نامہ بھی اس میں جابجا ملتا ہے۔ اس میں بانسری اور پگڈنڈیوں کا ذکر ہے۔ اس میں مہندی اور ہرنیوں کا ذکر ہے اس میں دریا کے کنارے اگنے والے سرکنڈوں کا تذکرہ ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

میں انہی پگڈنڈیوں پر بانسری چھیڑا کیا بے ارادہ، جانے کس کا راستہ دیکھا کیا جب ندی پر ترمراتا شام کی مہندی کا رنگ میرے دل میں کانپ اٹھتی کوئی ان بوجھی امنگ جب کھلنڈری ہرنیوں کی ڈار بن میں ناچتی کوئی بے نام آرزو سی میرے من میں ناچتی ریت کے ٹیلے پر سرکنڈوں کی لہراتی قطار نیم شب میں اور میری بانسری اور انتظار (21)

ان کی ایک نظم ''ایسے بھی دن'' میں ہڑپائی تہذیب اور اس تہذیب کا معاصر منظر نامہ ملتا ہے۔ جس میں پھلواڑیوں کا ذکر ہے۔ پھول کے گجروں اور کجرے کا ذکر ہے۔ پنگھٹ، ٹھیکریاں اور بجرے کا تذکرہ ہے۔ بہت خوبصورت نظم ہے۔ اس کا ایک بند دیکھتے ہیں:

پھول نہ گجرے، پلکیں اور نہ کجرے بیتے سموں کے اجڑے پنگھٹ، ٹھیکریاں اور بجرے کون اب ان کی اڑتی دھول سے من کی پیاس بجھائے (22)

کھیت اور فصلیں اور بالخصوص گندم کی فصل اس تہذیب کی فصلوں میں اہم فصل ہے اور ہڑپائی تہذیب کے ساتھ ساتھ اس تہذیب کے معاصر منظر نامہ میں بھی یہ فصل اہمیت کی حامل ہے۔ مجید امجد کی نظم ''بیساکھ'' میں گاؤں کے لوگوں کا درانتیوں کے ساتھ اس سنہری فصل کو کاٹنے کا منظر، لائی کرنا اور محنت کشوں کا رزق روٹی کمانے کی خاطر اس فصل کو سمیٹنے میں مزدوری کرنا۔ اس کا بہت خوبصورت پیرائے میں اظہار کیا ہے، کچھ اشعار استشہادات کے طور پر دیکھیں:

گاؤں کے مرد وزن نے اٹھائیں درانتیاں آئی سنہری کھیتیوں کی لائیوں کی رت گندم کی فصل کاٹنے کے خوشگوار دن محنت کشوں کی زمزمہ پیرائیوں کی رت خوشوں کے بکھرے بکھرے سے انباروں کا سماں کھلواڑوں کے نگاروں کی رعنائیوں کی رت کھیتوں میں دھیمے قہقہوں کا موسم حسیں رستوں پہ گونجتی ہوئی شہنائیوں کی رت دہقاں کی امید کی بار آوری کا وقت دنیا کے سوئے بخت کی انگڑائیوں کی رت (23)

مجید امجد کی نظم ''کون ؟'' میں گھنگھرووں اور لنگی کا ذکر ہے جو ہڑپائی تہذیب کے معاصر منظر نامہ کا اہم لباس ہیں اور پائل کا ذکر بہت احسن انداز میں ہے۔ مہندی اور سنہری تلے کی گلکاری کا ذکر بھی ہے۔ بہت رسیلی اور میٹھی نظم ہے۔ اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں؛

چاندی کی پازیب کے بجتے گھنگھرووں سے کھیلے ریشم کی رنگیں لنگی کی سرخ البیلی ڈوری نازک نازک پاؤں برقعے کو ٹھکراتے جائیں چھم چھم بجتی جائے پائل، ناچتی جائے ڈوری ! ہائے سنہری تلے کی گلکاری والی چپلی جس سے جھانکے مست سہاگن مہندی چوری چوری (24)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JALT JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.7. No.4.2024

ان کی ایک نظم "پہلی سے پہلے" میں تہذیبوں کے زوال کا ذکر ہے اور روٹی کے ٹکڑوں کا ذکر ہے۔ اس میں تہذیبوں کے زوال کی تاریخوں اور گردشوں کا تذکرہ ہے۔ کچھ لائنیں دیکھتے ہیں:

سارے زوال، جو تہذیبوں کے سایوں میں، انسانوں کو روٹی کے ٹکڑے کے لیے ترساتے آئے ہیں سارے خیال، جو آنے والوں اچھے دنوں کا دھن ہیں اور جو موت کی وادی سے ہو کر ذہنوں میں آتے ہیں()25

انہوں نے اپنی ایک نظم "اپنے دکھوں کی مستی میں۔۔۔" میں دریا کا ذکر کیا ہے اور دل اور دریا میں رستہ بدلنے کی مماثلت کو بھی خوبصورت اور احسن انداز میں بیان کیا ہے۔ ہڑپائی تہذیب میں دریا کی بڑی اہمیت ہے۔ اس نظم میں دل اور دریا کا ذکر بہت احسن پیرائے میں کیا گیا ہے۔ کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

میں شاہد ہوں جو کچھ بیتا، اس سرکش مٹی کی طینت میں تھا وہ سب کچھ اس طاغی دریا کی اک طغیانی تھی دریا۔۔۔ جس نے صدیوں پہلے بھی اپنے رستے سے پلٹ کر اپنی ریت کی چادر پر اک جلتی روح کی خاکستر کو جگہ دی ()

درج بالا استشہادات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجید امجد نے چونکہ بیشتر وقت اور زندگی کا زیادہ حصہ ساہیوال میں بسر کیا۔ اس لیے انہوں نے ہڑپائی تہذیب اور اس کے آثار کو بہت قریب سے دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا۔ ہڑپائی تہذیب اور اس کے معاصر منظر نامہ کے اہم عناصر کا ذکر ان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے۔ تخلیقی شخصیت کے تخیل و تصورات کی آبیاری کے لیے تنہائی ضروری ہے کہ اسی سے تلازمات کے دیئے روشن ہوتے ہیں، یہ موقع بھی اکثر مجید امجد کو میسر رہا۔ مجید امجد نے فطری اور قدرتی مناظر کو بہت احسن انداز میں اپنے شعری گلدستہ میں سجایا ہے مجید امجد کی نظموں کو پڑھ کر یہ لگتا ہے کہ اس نے اپنے ارد گرد اور خالص قدرتی ماحول سے متاثر ہو کر ہڑپائی تہذیب اور اس کے معاصر منظر نامہ کے اہم عناصر کو اپنی شاعری میں خاصی جگہ دی ہے۔

خلاصہ بحث

مجید امجد کی شاعری ہڑپائی تہذیب کو علامتی اور فکری طور پر پیش کرتی ہے، جو وقت کی بے رحمی، طبقاتی ناہمواری اور انسانی جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کی نظموں میں دریائے راوی، کنواں، بیل اور مورتیاں جیسے عناصر ہڑپائی ثقافت کو زندہ رکھتے ہیں۔ ان کا اسلوب، جو ہندی الفاظ اور روایتی بحروں سے مزین ہے، شاعری کو موسیقیت اور جمالیاتی حسن عطا کرتا ہے۔ وہ فطرت اور دیہاتی زندگی کو ہڑپائی تہذیب کے تسلسل سے جوڑتے ہیں، جو معاصر پاکستانی معاشرے کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف تاریخی میراث کی حفاظت کرتی ہے بلکہ فکری شعور کو ابھارتی ہے، جو تہذیبوں کے زوال اور بقا پر غور کی دعوت دیتی ہے۔

تجاویز و سفارشات

1. **ہڑپائی ثقافتی ورثے کی تعلیمی نصاب میں شمولیت:** پاکستانی اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں ہڑپائی تہذیب کے علامتی اور فکری پہلوؤں پر مبنی مضامین شامل کیے جائیں، خاص طور پر مجید امجد کی شاعری کو اردو ادب کے کورسز میں متعارف کرایا جائے تاکہ طلبہ تاریخی شعور پیدا کریں۔
2. **مقامی ثقافتی تحفظ کے پروگرامز:** ساہیوال اور ہڑپہ کے آثار قدیمہ کے مقامات پر ثقافتی میلے منعقد کیے جائیں، جہاں مجید امجد کی نظموں کی قرأت اور ہڑپائی تہذیب کے موضوعات پر مباحثے ہوں، تاکہ مقامی کمیونٹی میں ثقافتی شعور بیدار ہو۔
3. **اردو شاعری پر تحقیقی منصوبے:** یونیورسٹیوں میں مجید امجد کی شاعری پر تحقیقی گرانٹس فراہم کی جائیں، جو ہڑپائی تہذیب کے علامتی استعمال پر توجہ دیں، تاکہ نئی نسل کو اس کی فکری گہرائی سے روشناس کرایا جا سکے۔
4. **ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر ہڑپائی ثقافت کی ترویج:** سوشل میڈیا اور ویب سائٹس پر ہڑپائی تہذیب اور مجید امجد کی شاعری سے متعلق مواد شائع کیا جائے، جیسے کہ ویڈیوز، بلاگز اور ای-کتابیں، تاکہ عالمی سطح پر اس کی رسائی بڑھے۔
5. **زرعی ثقافت کی بحالی کے منصوبے:** ہڑپائی تہذیب کی زرعی بنیادوں سے متاثر ہو کر، پاکستان میں کسانوں کے لیے جدید زرعی تربیتی پروگرامز شروع کیے جائیں، جو مجید امجد کی شاعری میں دیہاتی زندگی کی عکاسی سے تحریک لیں۔

6. **ادبی و ثقافتی اداروں کا قیام:** ہڑپہ اور ساہیوال میں ادبی و ثقافتی ادارے قائم کیے جائیں جو مجید امجد کی شاعری اور ہڑپائی تہذیب کے موضوعات پر ورکشاپس اور نمائشیں منعقد کریں، تاکہ مقامی فنون کی ترویج ہو۔

حوالہ جات

ا۔ جعفری، سید ضمیر، تائید ضمیر، مشمولہ: قطعہ کلامی (انور مسعود)،

برقی کتاب، ص:7

https://www.urduweb.org/mehfil/threads

2۔ ایضاً، ص:46

. https://www.rekhta.org/ghaghals/sun-bastiyon-kaahaal-jo-had-se-guzar-gaiin-muneer-3

niyazighazals?lang=ur

4۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز،

2010ء، ص:336

5۔ ایضاً، ص:59

6۔ ایضاً، ص:60

7۔ ایضاً، ص:49

8۔ ایضاً، ص:569

9۔ ایضاً، ص:129

10۔ ایضاً، ص:100150

11۔ ایضاً، ص:114

12۔ ایضاً، ص:137

13۔ ایضاً، ص:149

14۔ ایضاً، ص:188

15۔ ایضاً، ص:434

16۔ ایضاً، ص:532

17۔ ایضاً، ص:671

18۔ ایضاً، ص:276

19۔ ایضاً، ص:308

20۔ ایضاً، ص:308

21۔ ایضاً، ص:246

22۔ ایضاً، ص:150

23۔ایضاً،ص:226

24۔ایضاً،ص:24

25۔ایضاً،ص:568

26۔ایضاً،ص:684

27۔ناصر